اسلامی نظریہ معرفت وشناخت

آیت اللہ بہشتی وشہید جواد باہنر

ترجمہ: رضا عباس

یقینی علم کی ضرورت:

قرآن یہ تاکید کرتا ہے کہ انسان کو صرف انہیں مقاصد کے لئے کوشش کرنی چاہئے، جن کا اسے یقین وقطعی علم ہو۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اور ایسی بات کے پیچھے نہ جاؤ جس کا تم کو علم نہیں۔ یقیناً کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں جواب دہی ہوگی۔'' (بنی اسرائیل ۳۶)

ایسا علم ٹھوس دلائل اور عمیق فکر کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے قرآن کریم یقینی علم کے حصول کی روش کو اختیار کرنے پر تاکید کرتا ہے۔ قرآن کے مطابق اندیشے اور گمان کی کوئی ارزش واہمیت نہیں ہے قرآن متعدد آیات میں اندیشے وگمان کو وہم وکوربینی سے تعبیر کرتا ہے۔ (سورہ انعام ۱۴۸: ۶، سورہ آل عمران ۱۵۴: ۳)

''تمہارے پاس بجز بیہودہ دعوے کے اس پر کوئی دلیل بھی ہیں تو کیا اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔''

''یہ سب دل بہلانے کی باتیں ہیں آپ ان سے کہئے کہ اچھا دلیل لاؤ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔''

ظن وگمان کی مدد سے علم واقعی تک پہونچنا ممکن ہے:

''اور تم میں سے اکثر لوگ صرف خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً وہم وگمان کے ذریعہ امر حق سے مستغنی نہیں ہوا جاسکتا۔''

ظن وگمان کے بعض اسباب:

قرآن ایسے بہت سے عوامل کی نشاندہی کرتا ہے جو شک اور وہم کو جنم دیتے ہیں اور انہیں علم قطعی کا جانشین قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے چند عوامل یہ ہیں:

ا۔ نفسانی خواہشات کی پیروی:

جس کے نتیجے میں اکثر، انسان راہ راست سے ہٹ کر غلط فیصلے کرتا ہے۔

''اور ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا ہو جبکہ منجانب اللہ کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہو۔ اللہ ظالمین کی ہدایت نہیں کیا کرتا۔''

۲۔ آباء واجداد کی اندھی تقلید:

یہ غلط نتائج اخذ کرنے کا دوسرا سبب ہے۔ یہ حقائق تک پہنچنے کے راستے کی بڑی رکاوٹ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

''ان لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے باپ داداؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں اس پر ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا تم اپنے آباء واجدادی کا اتباع کئے جاؤ گے اگر چہ میں اس سے اچھا مقصد پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایاہوں جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا ہے۔''

طاقت وبزرگی کے سامنے جھکنا:

یہ بھی حقائق کی معرفت کے راستے کی بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

''وہ لوگ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کردیا۔''

خود کو کمزور وناتواں اور کم سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود فیصلہ کرنے کے بجائے انسان طاقت وبزرگی کا اندھا مقلد بن جاتا ہے، خود وہ کسی انسان کی ہو یا کسی ملک کی۔ یہ انسان دوسروں کی

آنکھوں سے دیکھتا دوسروں کے کانوں سے سنتا اور دوسروں کے دماغ سے سوچتا ہے۔

حواس اور کسب معرفت:

کسب معرفت کا عمل حواس کے ذریعہ خارجی اور عینی عناصر کی دریافت سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن ان اجزائے جسم کا حوالہ دیتا ہے جو معتمد علم حاصل کرنے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''سمع'' کان، ''بصر'' آنکھ، ان میں سے چند ہیں:

'' اور اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور قلب تا کہ تم شکر کرو۔''

ایک دوسری آیت کہتی ہے:

'' پھر اس کے اعضا درست کئے اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تم کو کان آنکھیں اور دل دئے مگر لوگو! بہت کم شکر کرتے ہیں۔''

ہماری قوت سماعت علم حاصل کرنے کا ایک بنیادی وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ہم دوسروں کے تجربات اور خیالات کو جانتے ہیں۔ اسی کے ذریعہ ہم دوسرے انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثات وواقعات کا علم بھی حاصل کرتے ہیں۔

حصول علم کا دوسرا اہم ترین ذریعہ بصارت ہے جس کی مدد سے ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ مشاہدات درونی اور نگاہ باطنی بھی حصول علم کے ذرائع ہیں۔ باطنی مشاہدات کے ذریعہ جو بھی مواد ذہن میں جمع ہوتا ہے وہ تب تک کامل نہیں ہوتا جب تک دوبارہ اس کا تجزیہ نہ کیا جائے اس خام مواد کا دل کے قالب میں تجزیہ کیا جاتا ہے تا کہ وہ معتمد اور قبول کئے جانے کے لائق ہو سکے۔ قرآن کے مطابق انسان کا رشد وکمال، اس کی طاقتوں کے مناسب استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر ان حواس سے مناسب استفادہ نہ کیا جائے تو انسان حیوانات کی سطح تک گر سکتا ہے:

> جن کے دل ایسے ہیں جس سے نہیں سمجھتے ، اور جن
> سے نہیں سنتے ، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں ، بلکہ یہ
> لوگ زیادہ بے راہ اور غافل ہیں۔ (چوں کہ حیوان تو

اپنے غرایز سے ہدایت پاتا ہے، جب کہ یہ تو خود اپنے حواس سے علم حاصل کرتا ہے ، اس راہ میں کوشاں نہیں ہے''

قلب غور وفکر:

قرآن نے قلب کی بنیادی حیثیت کو بیان کرنے کے لئے مختلف تعبیرات استعمال کی ہیں جیسے تفکر ، تدبر، تعقل وغیرہ ۔ ''تفکر'' سے مراد ظاہری اور باطنی علوم کی تنظیم ہے۔ یعنی حوادث وواقعات کا تجزیہ کر کے عموی اصول وضوابط اخذ کئے جائیں اور انہیں دوسرے حالات پر منطبق کیا جائے۔

''تدبر'' یعنی باتوں کی گہرائی تک جاکر اصل حقیقت کا پتہ لگانا۔ اپنے حواس کے ذریعہ ہم اشیاء کو صرف ظاہراً ہی دیکھ سکتے ہیں، ہمارے حواس ظہور کے پرے، اسے چیر کر اندرونی حقائق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی حادثہ کی آخری منزل تک پہنچ سکتے ہیں ۔ اپنے حواس کی مدد سے ہم وہی کچھ جان سکتے ہیں جو سامنے ہوتا ہے۔ جب کہ ان کی اندرونی حقیقت تک پہنچنے کے لئے سوچ سمجھ اور تجزیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمارا علم ظن وگمان پر منحصر نہ ہو کر ٹھوس تجزیہ اور گہری فکر پر استوار ہونا چاہئے تا کہ اس کے ذریعہ واضح نتائج حاصل ہوں اور ان کا اتباع کیا جاسکے۔

نظر:

قرآن کئی مقامات پر لفظ 'نظر' کا استعمال کرتے ہوئے ہماری تشویق کرتا ہے ۔ 'نظر' سے مراد جستجو اور مشاہدہ ہے ، یعنی کسی شئی یا واقعہ کا توجہ اور تفکر کے ہمراہ مطالعہ کرنا۔ ذیل کی آیات پر غور فرمائیں:

'' آپ کہہ دیجئے کہ نظر کی وہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں اور زمینوں میں ۔''

'' کہہ دیجئے کہ تم لوگ ملک میں گھومو پھرو پھر نظر کرو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا ہے۔ (سورہ عنکبوت ۲۹۔ آیت ۲۰)

''اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (سورہ اعراف آیت ۸۶)

''کیا وہ اونٹ کا بغور مشاہدہ نہیں کرتے کہ اسے کیسے بنایا گیا اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بلند کیا گیا، اور پہاڑوں پر نظر نہیں کرتے کہ کس طرح نصب کئے گئے ہیں اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی۔''(سورہ ۸۸، الغاشیہ۔ ۲۰۔۱۷)

ان تمام آیات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا مشاہدہ اتنا دقیق اور موثر ہونا چاہئے کہ ان سوالات کا جواب اور حل مل سکے جو اس سلسلے میں ہمارے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی نظر اور فکر کی مدد سے کائنات کی تمام سچائیوں اور حقیقتوں کو سمجھنا اور پرکھنا چاہئے اور اسے کسی دائرے میں ہرگز محدود نہیں کرنا چاہئے۔ قرآن بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مثلاً ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

''بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں عقل کے لئے دلائل ہیں ان کے لئے (جن کی حالت یہ ہے کہ) جو اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور زمین و آسمان کی خلقت میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں''

قرآن میں اس طرح کی سیکڑوں آیتیں ملتی ہیں جن میں ہمیں کائنات کا بغور مطالعہ کرنے اور اس پر غور و فکر کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ تاریخ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے۔

'' ان کے لئے گزشتگان کی داستان بیان کردیجئے شاید کہ وہ اس پر غور و فکر سے کام لیں۔

وحی کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے علم کے سلسلے میں قرآن کہتا ہے۔'' قرآن پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ (سورہ محمد ۲۴: ۴۷)

آج کی اصطلاح میں علم کا مطلب:

آج کی اصطلاح میں لفظ علم اکثر تجرباتی علم کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے اور اس طرح اس کا دائرہ بہت محدود ہوجاتا ہے لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے علم کی اصطلاح بڑی وسیع ہے۔ دراصل لفظ 'علم' اور 'سائنس' سے دو الگ الگ معنی و مفاہیم مراد ہیں چوں کہ فارسی میں ان دونوں الفاظ کے لئے لفظ 'علم' ہی استعمال ہوتا ہے اس لئے یہ دشواری پیش آتی ہے۔ موجودہ مغرب زدہ سائنسی طرز فکر کے لحاظ سے:

۱۔ معلومات جب تک 'علم' پر مبنی نہ ہوں ان کی کوئی ارزش واہمیت نہیں ہے۔

۲۔ 'علم' کے معنی ہیں تجرباتی علم یعنی کوئی بھی علم اگر اس تجرباتی علم کی کسوٹی پر نہ کسا جا سکے تو وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔

اگر علم اپنے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہو تو یہ صحیح ہے کہ معلومات جب تک علم پر مبنی نہ ہوں ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ مگر دوسرے جملے میں علم کو صرف تجرباتی علم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بات اسلامی نظریہ معرفت کے نقطہ نظر سے درست نہیں کیونکہ کائنات کی بیشمار حقیقتیں ہیں جن کو تجربیاتی ڈھنگ سے نہیں درک کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر اور سائنس پرستی کے نقطہ نظر میں یہی فرق ہے۔ سائنس پرستی ہر اس شئی کو فاقد اعتبار سمجھتی ہے جسے لیبیا میں مشاہدہ اور تجزیہ نہ کیا جا سکے۔ جب اسلامی نقطہ نظر سے حقائق عالم مختلف طرح کے ہیں۔ کچھ کو سائنٹفک میتھڈ سے سمجھا جاتا ہے، کچھ کو فلسفہ اور منطق کی روش سے اور کچھ کو روحانی اشراق اور تجربہ باطنی کے ذریعہ۔ ان میں کسی کے وجود سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حقیقت پسندی

اسلامی نقطہ نگاہ سے کائنات گوناگوں اور باہم مرتب حقیقتوں کا ایک مجموعہ ہے جو اپنے وجود اور اس کی بقا دونوں میں خداوند حکیم کی تدبیر کی محتاج ہے۔ یہ کائنات مسلسل حرکت میں ہے اور یہ حرکت خیر ورحمت ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور کائنات کو جانیں مگر اس حقیت کو ہمیشہ ذہن نشین کرلیں کہ اس کا خالق ومالک کون ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہر چیز کو اس کے جملہ ابعاد و تعلقات کے ساتھ درک کریں۔ اس طرح سے اسلام وہ آئین ہے جو حقیقت پسندی پر منحصر ہے۔ ریالیزم کے سلسلے میں یہ نکتہ ضرور ملحوظ خاطر ہونا چاہئے کہ اس کا مفہوم یہ نہیں کہ انسان صرف موجودہ حقیقتوں کو تسلیم کرے۔ کبھی کبھی ہم اپنے بزرگ ناصحین کے منہ سے یہ مشفانہ جملہ سنتے ہیں ہمیں حقیقت پسند اور باعمل ہونا چاہئے، تو عمل میں ریالیسٹ ہونے کے دو پہلو ہیں جو ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہمیں ان کا سمجھنا ضروری ہے۔ اولاً جس ریالیزم کا ہم نے ذکر کیا اسلام اسے پسند نہیں کرتا اور اسے انسان کی رسالت، قدرت اور خلاقیت کے شایان شان نہیں سمجھتا۔ مسلمان کو اپنے ماحول اور سماجی حالات کے سامنے اس بہانے سے کہ ایک عاقل انسان حالات کے ساتھ چلتا

ہے، ہرگز سر نہیں جھکنا چاہئے۔ اسلام کے مطابق، انسان کو خلاقیت اور اپنے ماحول کو منقلب کرنے کے لئے خلق کیا گیا ہے، اس کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ وہ اپنی دماغ اور فکری صلاحیتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اجتماعی اور انفرادی حالات میں ایک انقلاب پیدا کرے اور کچھ نیا اور سود مند کام کرے جس سے کہ انسانوں کی زندگی کو اور بہتر اور خوشگوار بنایا جاسکے۔ اس کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حالات کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔ اس طرح اسلام حقیقت پسند ہے موقع پرست نہیں۔

☆☆☆☆☆